رمضان المبارک دعائیں کرنے، نوافل ادا کرنے، ذکر الٰہی اور مستحقین کا خاص خیال رکھنے کا مہینہ ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۹؍اگست ۱۹۷۷ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہّد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۶ کا درج ذیل حصہ تلاوت فرمایا:-

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ (البقرۃ:۱۸۶)

اس کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

ماہ رمضان بہت سی برکتیں لے کر آتا ہے اور بہت سی برکتیں لے کر آ گیا ہے۔ اس ماہ میں صرف روزے ہی رکھنے کا حکم نہیں، گو اس کی بڑی عبادت تو اس طریق پر روزہ رکھنا ہے جس طرح اسلام نے بتایا ہے لیکن قرآن کریم نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ روزے رکھنے کے علاوہ یہ ماہ دعائیں کرنے کا ہے، نوافل ادا کرنے کا ہے، ذکر الٰہی سے اپنے اوقات کو معمور کرنے کا ہے نیز یہ مستحقین کا خاص طور پر خیال رکھنے کا مہینہ ہے اور اگر انسان غور کرے تو یہ ایک ایسا مہینہ ہے جو بڑے اور چھوٹے کو ایک مقام پر لا کر کھڑا کر دیتا ہے اور برابر کر دیتا ہے۔ دن کے وقت بھوکا رہنے اور رات کے اوقات میں خدا تعالیٰ کے حضور عاجزانہ جھکنے کے لحاظ سے چھوٹے اور بڑے کی کوئی تمیز نہیں رہتی ان میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کی عظمت قرآن کریم میں بیان کی ہے۔ اس ماہ کی ایک عظمت یہ بھی

ہے کہ احادیث میں آتا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ماہ رمضان میں جتنا قرآن کریم اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اس کا دَور کیا کرتے تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی کے لانے والے فرشتہ ہیں۔ وہی قرآن کریم کی وحی کو لے کر آتے تھے، آیت یا اس کے ٹکڑوں کی شکل میں جیسا کہ وحی نازل ہوتی تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رمضان کے مہینہ میں وہ میرے ساتھ قرآن کریم کا دَور بھی کرتے ہیں (ہماری جماعت میں خصوصاً مرکز میں قرآن کریم کا درس ہوتا ہے اس میں دوستوں کو شامل ہونا چاہیئے)۔

قرآن کریم کی اپنی ایک عظمت ہے اور بڑی ہی عظمت ہے۔ اس آیت میں جو میں نے ابھی تلاوت کی ہے یہ بتایا گیا ہے کہ تین باتیں قرآن کریم کی عظمت کو ثابت کرنے والی ہیں۔ ایک تو یہ کہ هُدًى لِّلنَّاسِ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آیت کے اس ٹکڑا کی بہت سی تفسیریں کی ہیں۔ ایک تفسیر آپ نے یہ کی ہے کہ هُدًى لِّلنَّاسِ کا مطلب یہ ہے کہ جو ہدایت لوگ بھول چکے تھے اسے دوبارہ پیش کرنے والا۔ ہدایت تو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے آنی شروع ہوئی اور بہت سی شریعتیں نازل ہوئیں لیکن وہ امتیں جن کی طرف مختلف اوقات میں شریعتیں نازل ہوئیں۔ ایک وقت گزرنے کے بعد ان کی زندگی میں روحانی طور پر دو تبدیلیاں آئیں۔ ایک تو یہ کہ روحانی طور پر ارتقاء کے کچھ مدارج وہ طے کر چکے تھے اور روحانی طور پر زیادہ بوجھ کو اُٹھانے کے قابل ہو چکے تھے اور دوسری تبدیلی یہ آئی کہ جو شریعت ان پر نازل ہوئی تھی اس کو بھی بہت حد تک وہ بھول گئے اور بہت سی بدعات اس میں شامل ہو گئیں۔ پس قرآن کریم نے وہ بنیادی صداقتیں جو پہلی شریعتوں کے اندر پائی جاتی تھیں لیکن پہلی شریعتوں کے مخاطب انہیں بھول چکے تھے وہ ہدایتیں پھر لوگوں کو سکھائیں اور انسان کو ان سے متعارف کرایا۔ یہ هُدًى لِّلنَّاسِ کے ایک معنی ہیں۔

وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى دوسری بات جو قرآن کریم کی عظمت کو ثابت کرتی ہے یہ ہے کہ پہلی شریعتوں اور ہدایتوں میں جو باتیں اور جو صداقتیں مجمل طور پر پائی جاتی تھیں قرآن کریم نے ان کے اجمال کو دُور کیا اور پوری حقیقت کھول کر انسان کے سامنے رکھ دی اور تیسری بات یہ ہے کہ وَالْفُرْقَانِ ۔ چونکہ پوری کتاب اور کامل ہدایت جو قرآن میں نازل کی گئی وہ پہلی

شریعتوں اور ہدایتوں میں نہیں تھی اس لئے وقت گذرنے پر ان کے اندر اختلاف پیدا ہوا اور چونکہ زمانہ زمانہ کی ہدایت اور ملک ملک کی ہدایت میں فرق تھا اس لئے بنیادی طور پر جو مذہب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی طرف بھیجا گیا تھا اس کے اندر ایک اختلاف پیدا ہوگیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ کہا، آپ نے کہا کہ اگر کوئی تجھے تھپڑ لگاتا ہے تو تُو بھی اسے تھپڑ لگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کچھ اور کہا، انہوں نے کہا کہ اگر کوئی تیرے ایک گال پر تھپڑ لگاتا ہے تو تُو دوسرا گال بھی آگے رکھ دے۔ پس ہدایت میں اور تعلیم میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھی فرق پیدا ہوگیا اور اختلاف پیدا ہوگیا لیکن یہ اختلاف تب پیدا ہوا جب یہود نے حضرت مسیحؑ کے ماننے سے انکار کر دیا اور بدلے ہوئے حالات کے مطابق ان کی اصلاح کے لئے جو حکم نازل ہوا تھا کہ نرمی اختیار کرو تمہارے اندر سختی زیادہ پیدا ہو چکی ہے۔ چونکہ انہوں نے حضرت مسیحؑ کو نہیں مانا اس لئے ان کی اس تعلیم کو بھی نہیں مانا اور پہلی تعلیم جو جزوی اور غیر مکمل تھی، جو حقیقی تعلیم کا ایک حصہ تھی اس پر قائم رہے اور حقیقی تعلیم کا جو دوسرا حصہ حضرت مسیحؑ لے کر آئے تھے اس کو ماننے سے انکار کیا اور اس طرح اختلاف پیدا ہوگیا۔ انہوں نے کہا کہ تم خدا تعالیٰ کی طرف سے کیسے ہو سکتے ہو جب کہ پہلی شریعتوں سے اس قسم کے اختلاف کرنے والے ہو حالانکہ انسانی فطرت بھی اپنی ترقی یافتہ حالت میں پہلی شریعتوں کے ساتھ پورے طور پر اتفاق نہیں کر سکتی تھی۔ اس واسطے تیسری بات قرآن کریم میں یہ پائی جاتی ہے کہ اس نے حق و باطل میں کھلا فرق کر کے ان میں تمیز پیدا کر کے تمام پہلی ہدایتوں کے ماننے والوں میں جو اختلاف پیدا ہو گئے تھے ان کو دور کرنے کا سامان پیدا کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم کی شکل میں ایک کامل اور مکمل شریعت انسان کے ہاتھ میں دے دی گئی۔ ان تینوں باتوں کی تفسیر تو لمبی ہے لیکن میں نے مختصراً ان کی طرف اشارے کر کے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

جب کامل شریعت آ گئی اور اس نے فرقان ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (البقرۃ: ۱۸۷) اس کی ایک تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمائی ہے کہ جب خدا تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم پر ایمان لانے والے یہ پوچھیں کہ اس شریعت پر ہم ایمان لے آئے ہیں اب ہمارے اور پہلوں کے درمیان قرآن کریم نے کیا فرق، کیا تمیز پیدا کی ہے، ہم میں اور پہلی شریعتوں کے ماننے والوں میں شریعت اسلامیہ نے کیا امتیاز پیدا کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ دیا فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ کہ پہلوں کو دیکھو وہ میرے قرب سے محروم ہو چکے ہیں میرے دربار سے دھتکارے ہوئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اور آپ کو اسوہ بنا کر اور قرآن کریم کی تعلیم پر عمل کر کے تمہارا یہ مقام ہے کہ تم ان کی طرح دور اور مہجور نہیں ہو بلکہ میرے مقرب ہو فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ تم میں اور تمہارے غیر میں امتیاز یہ ہے کہ ''میں مسلمان کے قریب ہوں'' اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ اور جب وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے تو میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں اور اپنے الہام کے ذریعے اس قبولیت کی بہتوں کو بشارت دیتا ہوں لیکن یہ شرط اپنی جگہ قائم ہے کہ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ بشرطیکہ تم میرے حکم کو قبول کرو وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ اور اپنے ایمان پر حقیقی طور پر ثابت قدم رہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ دعا نتیجہ ہے ایک اور چیز کا اور وہ سلسلہ چلتا ہے فضل سے۔ اصل یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شناخت کرتا ہے تو اس میں اور ایک غیر مسلم میں جو امتیاز پیدا کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کر کے وہ معرفت حاصل کرتا ہے یعنی خدا تعالیٰ کی صحیح شناخت کرتا ہے، اس کی عظمت اس کے دل میں بیٹھتی ہے اور اس کی کبریائی اور اس کے جلال سے وہ آشنا ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں ایک ہی وقت میں ایک ہی ہستی ''اللہ'' کے متعلق اس کے دل میں محبت اور خوف پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں اسے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ یہ ایک لمبا مضمون ہے کہ کس طرح فضل کے نتیجے میں مقبول دعا کا دروازہ کھلتا ہے۔ اس کے متعلق میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک لمبا حوالہ پڑھ کر سنا دیتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

''ہاں یہ سچ ہے کہ معرفت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک خدا تعالیٰ کا فضل نہ ہو اور نہ مفید ہو سکتی ہے جب تک خدا تعالیٰ کا فضل نہ ہو اور فضل کے ذریعہ سے معرفت آتی

ہے تب معرفت کے ذریعہ سے حق بینی اور حق جوئی کا ایک دروازہ کُھلتا ہے اور پھر بار بار فضل سے ہی وہ دروازہ کھلا رہتا ہے اور بند نہیں ہوتا۔ غرض معرفت فضل کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے اور پھر فضل کے ذریعہ سے ہی باقی رہتی ہے۔ فضل معرفت کو نہایت مصفّٰی اور روشن کر دیتا ہے اور حجابوں کو درمیان سے اُٹھا دیتا ہے اور نفس امّارہ کے گرد و غبار کو دور کر دیتا ہے اور روح کو قوت اور زندگی بخشتا ہے اور نفسِ امّارہ کو امارگی کے زندان سے نکالتا ہے اور بدخواہشوں کی پلیدی سے پاک کرتا ہے اور نفسانی جذبات کے تُند سیلاب سے باہر لاتا ہے تب انسان میں ایک تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور وہ ابھی گندی زندگی سے طبعًا بیزار ہو جاتا ہے کہ بعد اس کے پہلی حرکت جو فضل کے ذریعہ سے روح میں پیدا ہوتی ہے وہ دعا ہے۔ یہ خیال مت کرو کہ ہم بھی ہر روز دعا کرتے ہیں (خدا کے فضل اور معرفت کے بغیر جو دعا کرنے والے ہیں آپ نے ان کو مخاطب کیا ہے کہ یہ خیال مت کرو کہ ہم بھی ہر روز دعا کرتے ہیں) اور تمام نماز دعا ہی ہے جو ہم پڑھتے ہیں کیونکہ وہ دعا جو معرفت کے بعد اور فضل کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے وہ اَور رنگ اور کیفیت رکھتی ہے، وہ فنا کرنے والی چیز ہے، وہ گداز کرنے والی آگ ہے، وہ رحمت کو کھینچنے والی ایک مقناطیسی کشش ہے، وہ موت ہے پر آخر کو زندہ کرتی ہے وہ ایک تند سیل ہے پر آخر کو کشتی بن جاتی ہے۔ ہر ایک بگڑی ہوئی بات اس سے بن جاتی ہے اور ہر ایک زہر آخر اس سے تریاق ہو جاتا ہے۔

مبارک وہ قیدی[1] جو دعا کرتے ہیں تھکتے نہیں کیونکہ ایک دن رہائی پائیں گے۔

مبارک وہ اندھے جو دعاؤں میں سست نہیں ہوتے کیونکہ ایک دن دیکھنے لگیں گے[2]۔

مبارک وہ جو قبروں میں پڑے ہوئے دعاؤں کے ساتھ خدا کی مدد چاہتے ہیں کیونکہ ایک دن قبروں سے باہر نکالے جائیں گے۔

مبارک تم جبکہ دعا کرنے میں کبھی ماندہ نہیں ہوتے اور تمہاری روح دعا کے لئے

---

[1]: یعنی ہوائے نفس کے زندان میں رہنے والے جیسا کہ اوپر ذکر آیا تھا۔

[2]: یعنی روحانی آنکھ سے۔

پگھلتی اور تمہاری آنکھ آنسو بہاتی اور تمہارے سینہ میں ایک آگ پیدا کر دیتی ہے اور تمہیں تنہائی کا ذوق اُٹھانے کے لئے اندھیری کوٹھڑیوں اور سنسان جنگلوں میں لے جاتی ہے اور تمہیں بے تاب اور دیوانہ اور از خود رفتہ بنا دیتی ہے کیونکہ آخر تم پر فضل کیا جاوے گا۔ وہ خدا جس کی طرف ہم بلاتے ہیں نہایت کریم و رحیم، حیا والا، صادق، وفادار، عاجزوں پر رحم کرنے والا ہے۔ پس تم بھی وفادار بن جاؤ اور پورے صدق اور وفا سے دعا کرو کہ وہ تم پر رحم فرمائے گا۔ دنیا کے شور و غوغا سے الگ ہو جاؤ اور نفسانی جھگڑوں کا دین کو رنگ مت دو۔ خدا کے لئے ہار اختیار کر لو اور شکست کو قبول کر لو تا بڑی بڑی فتحوں کے تم وارث بن جاؤ۔ دعا کرنے والوں کو خدا معجزہ دکھائے گا اور مانگنے والوں کو ایک خارق عادت نعمت دی جائے گی۔ دعا خدا سے آتی ہے اور خدا کی طرف ہی جاتی ہے۔ دعا سے خدا ایسا نزدیک ہو جاتا ہے جیسا کہ تمہاری جان تم سے نزدیک ہے۔ دعا کی پہلی نعمت یہ ہے کہ انسان میں پاک تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔‘‘

(لیکچر سیالکوٹ۔ روحانی خزائن جلد نمبر ۲۰ صفحہ ۲۲۲، ۲۲۳)

پس اس ماہ میں خاص طور پر دعائیں کرتے رہنا چاہیئے۔ یہ بنیادی دعا بھی کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کبر و اِباء اور فخر و ریاء سے معصوم دعائیں کرنے کی توفیق عطا کرے اور ان دعاؤں کو قبول کرے اور دعا کے ذریعہ سے ایک مومن مسلم کو جو نعمتیں ملنے کا وعدہ دیا گیا ہے اس قسم کی دعاؤں کی توفیق عطا کرے اور ہمیں ہمیشہ ایمان کے صراط مستقیم پر قائم رکھے اور اپنی رضا کی جنتوں کا ہمیں ہمیشہ وارث بنائے رکھے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۳؍ستمبر ۱۹۷۷ء صفحہ ۲ تا ۴)

۞۞۞